© rasailojaraid.com

(پہلی قسط)

مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل تحلیل وتجزیہ

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری

رئیس دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد انڈیا

یہ مقالہ (بعنوان مذہب غیر پر فتویٰ اور عمل) ادارہ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علمائے ہند کے چوتھے فقہی اجتماع منعقدہ ۱۷، ۱۸ جمادی الاول ۱۴۱۵ھ بمطابق ۲۴، ۲۵ اکتوبر ۹۴ء بمقام (دیوبند) پیش کیا گیا تھا در حقیقت یہ مقالہ ادارہ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے جاری کردہ سوالنامہ کا تحقیقی جواب ہے جو مولانا مفتی محمد سلیمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور ان کے احباب افتاء نے انتہائی عرق ریزی سے ایک نایاب علمی تحقیق مرتب کی ہے اس مقالہ میں اپنے موضوع سے اصولی معلومات جمع کی گئی ہے جو یقیناً قارئین کے علمی معیار کو بلند کرنے میں نافع ثابت ہوں گے۔ امید ہے کہ قارئین بخوبی استفادہ کریں گے۔ ادارہ

نمبر شمار	ذیلی عنوانات	نمبر شمار	ذیلی عنوانات
(۱)	سوالنامہ	(۹)	طبقات مجتہدین
(۲)	اصولی بحث ایک نظر میں	(۱۰)	عدول عن المذہب کے لئے درکار صلاحیت
(۳)	عمل کے لئے مستقل راہ	(۱۱)	قصد محمود کی نشانیاں
(۴)	تقلید کے اصطلاحی معنی	(۱۲)	حاجت اور ضرورت کے اثر میں فرق
(۵)	تقلید مطلق یا مقید	(۱۳)	عموم بلویٰ
(۶)	مذاہب اربعہ میں انحصار	(۱۴)	ضرورت خاصہ
(۷)	تعین ضروری ہے	(۱۵)	مالی مشقت میں رخصت کی مثال
(۸)	طبقات فقہاء	(۱۶)	عبادت کی حفاظت کے لئے رخصت کی مثال
		(۱۷)	عموم بلویٰ کی وجہ سے مذہب غیر پر عمل

سوالنامہ:

ارباب فقہ وفتاویٰ اور اصحاب نظر وفکر علماء کے درمیان یہ بات مسلم ہے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اجمعین کے فقہی مسالک کی تقلید اور ان کی پورے طور پر پابندی اور التزام ضروری اور لازم ہے اس لئے کہ علوم اسلامی سے دوری ورع تقویٰ اور خوف خداوندی کی کمی خواہشات نفس کی پیروی اور طبیعتوں میں سہولت پسندی کا عام رجحان ہے ایسی صورت میں اگر مختلف فقہی مذاہب سے خوشہ چینی کی عام اجازت دے دی جائے تو یہ ایک زبردست فتنہ ہوگا جس کی مدافعت مشکل ہوگی۔ البتہ ہر زمانے کے فقہاء کرام نے دفع حرج کے لئے خاص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالات میں دوسرے امام کے مسلک پر عمل اور فتویٰ کی اجازت دی ہے، جس کی نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں۔ موجودہ حالات میں جدید اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے دوسرے مسلک کا سہارا لینا وقت کا اہم تقاضا بن گیا ہے۔ لیکن اگر اس کی عام اجازت دے دی جائے تو تجدد پسند طبقہ اجتہاد و تحقیق کا نام لے کر ہر نا گفتنی اور نا کردنی امور کے لئے شریعت میں جگہ پیدا کرلے گا۔ اس لئے ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کے ذمہ داروں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ وہ رہنما خطوط واضح کردیئے جائیں جن کے دائرہ میں رہ کر بوقت ضرورت دوسرے مسلک پر فتویٰ اور عمل کی راہ کو اپنایا جائے اس سلسلہ میں چند بنیادی سوالات پیش خدمت ہیں جو دوسرے مذہب پر فتویٰ اور عمل کے حدود و شرائط کو منضبط کرنے میں انشاء اللہ معاون ہوں گے۔ (۱) دوسرے کے مسلک پر فتویٰ اور عمل کی اجازت ہے یا نہیں؟ الف: اگر اجازت ہے تو عام حالات میں یا خاص حالات میں بوقت ضرورت؟ (ب) اگر بوقت ضرورت اجازت ہے تو ضرورت کی تعریف ''اقسام اور اس باب میں ضرورت کی تعیین؟ (ج) ضرورت عامہ کا اعتبار ہے یا ضرورت خاصہ کا یا دونوں کا؟

(د) کیا عبادات اور معاملات میں کوئی فرق ہے؟ (ہ) ضرورت عامہ کے تعیین کی کیا صورت ہے؟

(۲) کیا ضرورت کے علاوہ افتاء بمذہب الغیر کیلئے اور بھی شرائط ہیں؟ وہ کیا ہیں؟

(۳) افتاء بمذہب الغیر کے اختیار کرنے کے لئے مفتی میں کیا اہلیت ہونی چاہیے؟ کیا تنہا ایک مفتی دوسرے مسلک پر فتویٰ دینے کا مجاز ہوگا یا ارباب افتاء کا اتفاق ضروری ہے؟

(۴) کیا کسی شخص کے لئے ارباب فقہ و فتاویٰ سے رجوع کئے بغیر دوسرے مسلک پر عمل کی گنجائش ہے؟

(۵) تلفیق کے کیا معنی ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کے کیا احکامات ہیں؟ (الف) تلفیق کی کیا کوئی ایسی شکل ہے جو دائرہ جواز میں آتی ہو؟ (ب) تلفیق کے ناجائز ہونے کی وجہ اور اس کی بنیادی خرابی کیا ہے؟

(۶) جو مسئلہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے درمیان متفق علیہ ہے کیا کسی صورت میں اس کو چھوڑ کر دیگر ائمہ مجتہدین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے؟ اگر گنجائش ہے تو کب اور کیا شرائط ہیں؟ (۷) اپنے مسلک کے غیر راجح اور ضعیف قول پر فتویٰ دینے اور عمل کرنے کی گنجائش ہے اگر ہے تو کب اور اس کی کیا شرائط ہیں؟

منجانب: ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند نئی دہلی۔

شریعت اسلامی کی جامعیت اور آفاقیت محتاج بیان نہیں ہر جگہ اور ہر زمانہ کے سماجی اور معاشرتی انفرادی اور اجتماعی ہر طرح کے مسائل ومشکلات کا مداوا فقہ اسلامی میں موجود ہے ملت اسلامیہ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی کہ اس خالق دوجہاں رب ذوالجلال کی طرف سے زندگی گذارنے کا مکمل لائحہ عمل دین اسلام کی صورت میں عطاء کردیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا** ۔ آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے مکمل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کیا (حضرت تھانویؒ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس عظیم نعمت کے مل جانے کے بعد اہل اسلام کو اسلام کے علاوہ کسی اور لائحہ عمل اور ضابطہ زندگی کی طرف نظر اٹھانے کی ضرورت ہے نہ گنجائش۔ بلکہ اہل اسلام ہی کیا دنیا کا کوئی بھی فرد اگر اس خداوندی طریقہ سے روگردانی کر کے کسی اور راستہ کو اپنائے گا تو وہ بارگاہ ایزدی میں قبولیت نہ حاصل کر سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین** ۔ ترجمہ: اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔ (حضرت تھانویؒ) واضح رہے کہ اسلامی لائحہ عمل کا احاطہ صرف قرانی قوانین سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس مقصد کے حصول لئے ہمیں لامحالہ صاحب قران، سرور کائنات، فخر دو عالم ﷺ کی مبارک احادیث اور آپ کے جان نثاروں کی مقدس جماعت کے آثار وفتاوٰی اور اسوۂ زندگی کو بھی پیش نظر رکھنا پڑے گا کیونکہ ان بنیادی ماخذ کو سامنے رکھے بغیر کوئی شخص صحیح معنی میں اسلامی احکامات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ دوسری طرف یہ امر بھی ظاہر ہے کہ اگر قران وسنت میں قیامت تک پیش آنے والے سبھی واقعات وجزئیات اور ان کے احکامات کو جمع کرنے کی کوشش کی جاتی اور حال ومستقبل کے سبھی مسائل بسط وتفصیل کے ساتھ لکھ دیئے جاتے تو اتنی طوالت ہو جاتی کہ ان سے عام آدمیوں کا استفادہ نہایت دشوار ہو جاتا۔ بریں بنا منجانب خداوندی قران وسنت میں قانون سازی کے بنیادی نکات بیان کر کے اہل اسلام کو اجتہاد واستنباط کا موقع فراہم کر دیا گیا ہے تاکہ حالات کے مطابق قوانین شرعیہ سے استفادہ ہی کرتے ہوئے احکامات کا تعین کیا جا سکے اور زمانہ کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ اسلام میں قانون سازی کی چار بنیادیں ہیں، جن پر تمام فقہ اسلامی کے مسائل کا مدار رکھا جاتا ہے اور سبھی ائمہ متبوعین ان کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

(۱) کتاب اللہ:

یعنی رسول اللہ پر نازل شدہ قران کریم جس کی غیر مؤول اور محکم ومفسر آیتیں بلاشبہ قطعی اور یقینی طور پر قابل انقیاد واتباع ہیں۔ اس بنیادی ماخذ شریعت سے احکامات وقوانین کی تخریج کے لئے حضرات فقہاء نے مختلف اعتبارات سے بیس قسمیں نکالی ہیں جنہیں معلوم کئے بغیر احکام کو نہیں پہچانا جا سکتا۔ (۱) خاص (۲) عام (۳) مشترک (۴) مؤول (۵) ظاہر (۶) نص (۷) مفسر (۸) محکم (۹) خفی (۱۰) مشکل (۱۱) مجمل (۱۲) متشابہ (۱۳) حقیقت (۱۴) مجاز (۱۵) صریح (۱۶) کنایہ (۱۷) عبارت النص (۱۸) اشارۃ النص (۱۹) دلالۃ النص (۲۰) اقتضاء النص انہی تقسیم کے اعتبار سے دراصل احکامات کا تعین ہوتا ہے۔ (نورالانوار ۱۰ تا ۱۳)

(۲) سنت رسول اللہ:

رسول اکرم ﷺ کے اقوال وافعال اور آپ کے سامنے پیش آمدہ واقعات وغیرہ فقہی اصطلاح میں سنت کہلاتے ہیں (نورالانوار ۱۷۵) سنت کے کچھ درجات ہیں جن کے اعتبار سے ان کی حیثیتیں بھی مختلف ہو جاتی ہیں (الف) سنت متواترہ: یعنی ایسی سنت جس کے ناقل ابتداء سے لے کر آج تک اتنی بڑی تعداد میں ہوں کہ عادۃ ان کا جھوٹ پر اتفاق مشکل ہو سنت کے اس درجہ سے علم ضروری کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصول ہوتا ہے (نور الانوار ۱۷۶۔ اعلاء السنن مقدمہ ج۱ ص۲۳) جیسے نماز کی رکعات اور اعمال حج وغیرہ کا علم (ب) سنت مشہورہ یعنی ایسی سنت جو ابتدائی زمانہ دور صحابہؓ میں اگر چہ اکا دکا افراد سے منقول رہی ہو مگر بعد میں اسے قبول عام حاصل ہو گیا ہو اس قسم کے ذریعہ کتاب اللہ کی عمل آیتوں کی تفسیر اور مطلق نصوص کی تقلید کا کام لیا جا سکتا ہے مثلا کفارہ یمین میں سے روزہ پے درپے رکھنے کی شرط سنت مشہورہ کے ذریعہ بڑھائی گئی ہے۔ (حاشیہ نور الانوار ۱۷۷) (ب) خبر واحد تیسرا درجہ خبر واحد کا ہے جس کا اطلاق ایسی سنت پر ہوتا ہے جس کے نقل کرنے والے قرون ثلثہ (دور صحابہ دور تابعین دور تبع تابعین) میں اتنا نہ رہے ہوں کہ ان کی روایت درجہ تواتر یا درجہ شہرت تک پہنچ سکے (واضح رہے کہ قرون ثلثہ کے بعد شہرت ہونے سے حدیث مشہور نہیں قرار دی جاتی) خبر واحد محض ظن کا فائدہ دیتی ہے لیکن آیت قرانی **فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهو في الدين** (التوبة) سے اتنا ضرور مستفاد ہوتا ہے کہ اگر اس طرح کی کسی سنت کا معارضہ کسی دوسرے مضبوط دلیل وغیرہ کے ساتھ نہ ہو۔ تو اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے اس معنیٰ کہ خبر واحد بھی اسلامی قانون کا ایک بڑا ماخذ ہے۔ (نور الانوار ۱۷۸) چنانچہ بہت سے شرعی احکامات خبر واحد سے مستفاد ہیں مثلاً ڈاڑھی منڈانے کی حرمت اور حاجی کے لئے حالت احرام میں خوشبو لگانے کی ممانعت (ہدایہ ج ۱ ص ۲۳۹) وغیرہ

(۳) اجماع امت: تشریع اسلامی کا تیسرا ماخذ امت کے اہل افراد کا قولی یا فعلی اجماع ہے جو علم یقینی کا فائدہ دیتا ہے حتیٰ کہ اس کا منکر کافر ہے (نور الانوار ۲۲۱)

دلائل سمعیہ:

ان تینوں بنیادوں کا تعلق دلائل سے ہے۔ جن کے فی الجملہ چار مراتب ہیں

(الف) **قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ**: یعنی قران کریم کی مفسر و محکم اور غیر مؤول آیتیں اور سنت متواترہ۔ جیسے خون مسفوخ کی حرمت، شراب کی حرمت وغیرہ۔ اس طرح کے دلائل سے جانب امر میں فرضیت اور جانب نہی میں قطعی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

(ب) **قطعی الدلالۃ ظنی الثبوت**: یعنی قران کریم کی مجمل و مؤول آیات اور وہ احادیث متواترہ جن کی دلالت ظنی ہے مثلا ثلاثۃ قروء میں لفظ قروء اگر چہ قطعی الثبوت ہے مگر اس کی دلالت کہ حیض مراد ہے یا طہر ظنی ہے اس بنا پر حضرات حنفیہؒ نے آیت کی تاویل حیض سے کی ہے اور حضرات شوافع نے قرءِ سے طہر مراد لیا ہے صاحب نور الانوار فرماتے ہیں۔ **وبيانه ان قوله تعالىٰ قروء مشترك بين معنى الطهر والحيض فاوله الشافعي بالاطهار الخ واوله ابو حنيفةؒ بالحيض** (نور الانوار ۱۸) ترجمہ: اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ ارشاد خداوندی ثلاثۃ قرو طہر اور حیض کے معنیٰ میں مشترک ہے پس حضرت امام شافعیؒ نے طہر کے معنی مراد لئے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ نے حیض سے تاویل کی ہے۔ الغرض اگر کسی قطعی دلیل میں عمومیت اور تاویل کی گنجائش نکل آئے تو اس کی دلالت ظنی ہو جاتی ہے اور اس کا درجہ حکم کے اعتبار سے قطعیت سے نیچے آجاتا ہے پھر اس سے قطعی فرض اور قطعی حرام کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ جانب امر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں وجوب یعنی فرض عملی اور جانب نہی میں کراہت تحریمی یعنی حرام عملی ثابت ہوتا ہے اور اس سے ثابت شدہ منفی یا مثبت حکم کا منکر کافر قرار نہیں دیا جاتا وحکمه الواجب اللزوم عملا لاعلما علی الیقین حتیٰ لایکفر جاحده (نورا لانوار ۱۶۶)

(ج) ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ: یعنی وہ احادیث واخبار احاد جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے قطعی ہیں مگر ان کے ثبوت میں ظنیت پائی جاتی ہے اس صفت کی دلیلیں معارضہ سے محفوظ ہونے کی صورت میں قسم ثانی کی طرح جانب امر میں وجوب اور جانب نہی میں کراہت تحریم ثابت کرتی ہیں مثلاً آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: لاتشربوا فی الاناء الذهب والفضة (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۸۹) سونے چاندی کے برتن میں نہ پیئو۔ یہ حدیث خبر واحد ہے مگر اس سے جو معنیٰ مقصود ہیں وہ قطعی ہیں یعنی سونے چاندی کے برتن کا استعمال ممنوع ہے لہٰذا اس حدیث سے سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کی کراہت ثابت کی جائے گی علاوہ ازیں کبھی دیگر قرائن کو پیش نظر رکھ کر اس درجہ کے دلائل سے وجوب کے بجائے سنت اور کراہت تحریمی کے بجائے مطلق کراہت کا بھی ثبوت ہوتا ہے مثلاً وہ احادیث احاد جن میں بیمار کی عیادت جنازہ کی مشایعت وغیرہ کے احکامات دئے گئے ہیں (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۸۸) ان سے بالاتفاق وجوب مراد نہیں بلکہ محض سنت مراد ہے۔

(د) ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ: یعنی وہ احادیث واخبار احاد جو مجمل اور قابل تاویل ہوں اس قسم کے دلائل سے جانب امر میں سنت واستحباب اور جانب نہی میں کراہت تنزیہی کا ثبوت ہوتا ہے مثلاً ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ اذا اقیمت الصلوٰة فلا الصلوٰة الا المکتوبة (ترمذی شریف جلد اول ص ۹۶ وابوداؤد شریف جلد اول ص ۵۶)۔ ترجمہ: جب نماز کھڑی ہو جائے تو پھر فرض کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے۔ یہ حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی ہے اور اس کی دلالت بھی ظنی ہے بایں طور کہ یہ نہی عام ہے یا صرف مسجد میں اور امام کے قریب پڑھنے کی ممانعت ہے۔ چنانچہ شافعیہ نہی کو عام مان کر فرض شروع ہونے کے بعد کہیں بھی نفل پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور مالکیہ وحنفیہ نہی کو مسجد کے ساتھ خاص مان کر خارج مسجد میں نوافل وسنن پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، بشرطیکہ فرض بالکلیہ چھوٹنے کا اندیشہ نہ ہو (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۴۹) الغرض اس ظنیت کی بنا پر حدیث بالا سے جانب نہی میں صرف کراہت تنزیہی ثابت ہوگی۔ ادلہ سمعیہ کی یہ تفصیل اور ان سے ثابت ہونے والے احکامات کا یہ تعین علامہ شامیؒ نے رد المحتار ج ۱ ص ۹۵ میں نقل کیا ہے اس کے علاوہ طحطاوی علی المراقی ۱۳۱ اور شرح نقایہ ج ۱ ص ۴ پر بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے لیکن یہ ضابطے عمومی ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجتہد کے نزدیک کوئی ظنی دلیل کسی قرینہ کی بنیاد پر قطعی کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور وہ اس سے وجوب کا حکم ثابت کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض مرتبہ خبر واحد سے رکنیت بھی ثابت کر دی جاتی ہے چنانچہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔ ثم ان المجتهد قد یقوی عنده الدلیل الظنی حتیٰ یصیر قریبا عنده من القطعی فما ثبت به یسمیٰ فرضا عملیا لانه یعامل معاملة الفرض فی وجوب العمل ویسمی واجبا نظرا الی الظنیة دلیله فهو اقوی نوعی الواجب واضعف نوعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الفرض بل قد یصل خبر الواحد عنده الی حد القطعی ولذا قالوا انه اذاکا ن متلقی بالقبول جاز اثبات الرکن به حتیٰ ثبتت رکنیة الوقوف بعرفات بقوله ﷺ الحج عرفة (شامی کراتشی ج ۱ ص ۹۵) ترجمہ: لیکن مجتہد کے نزدیک دلیل ظنی اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ قطعی کے قریب تک پہنچ جاتی ہے تو جو حکم ایسی دلیل سے ثابت ہوا سے فرض عملی کہا جاتا ہے اس لئے کہ عمل کے ضروری ہونے میں اس کے ساتھ فرائض جیسا معاملہ کیا جاتا ہے اور ظنیت دلیل کی بنا پر اسے واجب کہتے ہیں تو یہ واجب کی اعلیٰ اور فرض کی ادنیٰ قسم ہے بلکہ کبھی تو مجتہد کے نزدیک خبر واحد بھی قطعی کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر وہ خبر واحد عام طور پر قبول کی جاتی ہو تو اس سے رکنیت ثابت کرنا بھی درست ہے حتیٰ کہ وقوف عرفات کی فرضیت آنحضرت ﷺ کے ارشاد **الحج عرفة** (حج عرفہ ہے) سے ثابت کی گئی ہے۔ اسی طرح فقہاء کے کلام میں کبھی کبھی فرض کا اطلاق ایسے حکم پر کر دیا جاتا ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہے اور واجب کا نام ایسے حکم کو دیا جاتا ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو نیز واجب کے لئے مختلف درجات ہوتے ہیں کوئی واجب قوت میں فرض کے برابر ہوتا ہے اور کوئی اس سے کم ہوتا ہے اور دونوں کے لئے ایک ہی لفظ واجب استعمال کر لیا جاتا ہے اس لئے احکام کی تعیین میں اس امر کا بھی خیال رکھنا ضرور ہے علامہ شامیؒ صاحب تلویح سے نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

ان الاستعمال الفرض فیما یثبت بظنی والواجب فیما یثبت بقطعی شائع مستفیض فلفظ الواجب یقع علی ما هو فرض علما وعملا کصلواة الفجر وعلی ظنی هو فی قوة الفرض فی العمل کالوتر حتیٰ یمنع تذکرة صحة الفجر کتذکرة العشاء وعلی ظنی هو دون الفرض فی العمل وفوق السنة کتعین الفاتحة حتیٰ لاتفسد الصلواة ترکها لکن تجب سجدة السهو (شامی ج ۱ ص ۹۵) ترجمہ: ظنی دلیل سے ثابت شدہ حکم کو فرض کا نام دینا اور قطعی دلیل سے مستفاد حکم کو واجب سے تعبیر کرنا (علماء کے حلقہ میں) مشہور و معروف ہے تو لفظ واجب کبھی ایسے حکم پر بولا جاتا ہے جو علمی اور عملی ہر اعتبار سے فرض ہے جیسا کہ نماز فجر اور ایسے حکم پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو اگرچہ ظنی ہے مگر عمل میں فرض کی قوت رکھتا ہے مثلاً نماز وتر (کہ وہ فرض عملی ہے) حتیٰ کہ اگر کوئی شخص وتر نہ پڑھے اور صبح کو نماز فجر سے پہلے اسے یاد آجاوے کہ اس نے وتر نہیں پڑھے (وہ صاحب ترتیب ہو) تو یہ یاد آنا اس کے لئے صحت فجر سے مانع ہو گا بالکل اسی طرح جیسے چھوٹی ہوئی عشاء کی نماز کا یاد آنا مانع ہوتا ہے اسی طرح واجب کا اطلاق ایسے حکم ظنی پر بھی ہوتا ہے جو عمل میں فرض کے درجہ سے کم تر اور سنت کے درجہ سے بڑھا ہوا ہے جیسے سورۃ فاتحہ کا متعین ہونا کہ اس کو چھوڑنے سے نماز فاسد ہوتی البتہ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ ان وضاحتوں کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ محض ادلہ سمعیہ کے ضابطوں کو ہی پیش نظر رکھ کر ہم اپنی رائے سے احکامات کا تعین نہیں کریں گے بلکہ اس میں بھی مجتہدین اور اصحاب رائے کے اقوال کو سامنے رکھنا پڑے گا اس کے بغیر ادلہ سمعیہ کے صحیح منشاء پر عمل نہیں ہو کیا جا سکتا۔

قیاس:

شرع اسلامی کی چوتھی بنیاد قیاس ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ منصوص سے علت نکال کر اس حکم کو غیر منصوص میں جاری کرنا یا یوں کہئے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علت میں اتحاد کی بنیاد پر فرعی مسئلہ میں اصلی کا حکم لگانا صاحب توضیح وتلویح لکھتے ہیں۔ **وهو تعدية الحكم من الاصل الى الفرع بعلة متحدة لايدرك بمجرد اللغة** ۔ترجمہ: وہ اصل سے فرع کی جانب حکم کو لے جانا ہے ایسی مشترک علت کی وجہ سے جسے محض لغت سے نہ سمجھا جائے۔ اور معجم لغۃ فقہاء میں قیاس کی تعریف اس طرح لکھی گئی ہے۔ **القياس الحاق الاصل بفروع فى الحكم لاتحادهما فى العلة** (معجم لغة الفقهاء ۳۷۲) قیاس وہ حکم میں اصل کو فرع کے ساتھ لاحق کر دینا ہے دونوں میں علت کے اشتراک کی بنا پر۔ ان تعریفات سے یہ واضح ہو گیا کہ قیاس اصلی دین سے خارج کوئی چیز نہیں ہے بلکہ محض علت کے تعدیہ کا نام قیاس ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء کی نظر میں قیاس وہی معتبر ہے جس کی بنیاد کسی نص پر ہو اور جو کسی حکم مخصوص کے خلاف نہ پڑتا ہو اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ حکم اصلی مخصوص نہ ہو اور غیر مدرک بالعقل نہ ہو نیز یہ بھی ضروری ہے کہ حکم فرع کے ثبوت کے لئے کوئی متعارض نص موجود نہ ہو اگر ان میں سے کوئی بھی شرط نہ پائی جائے گی تو ایسے قیاس کا اعتبار نہ ہوگا چنانچہ کتب اصول میں ان شرائط کی تفصیلات اہتمام سے درج کی جاتی ہیں (التوضیح والتلویح ۳۶۸) تو معلوم ہوا کہ قیاس نہ صرف دلیل شرعی ہے بلکہ احکام شریعت اور قران وسنت کی عظمت کی دلیل بھی ہے جس کے ذریعہ سے قران وسنت کے الفاظ ومعانی دونوں پر عمل کرنے کی توفیق میسر آتی ہے اسی وجہ اہل اصول لکھتے ہیں۔ **وفى ذلك تعظيم شان الكتاب والعمل به لفظا ومعنىً اى فى العمل بالقياس تعظيم شان الكتاب واعتبار نظمه فى المقيس عليه واعتبار معناه فى المقيس واما منكروا القياس فانهم بنظم الكتاب فقط واعرضوا عن اعتبار فحواه واخرج الدرر المكنونة عن بحار معناه وجهلوا ان للقران ظهراً وبطناً وان لكل واحد مطلقا وقد وفق الله تعالىٰ العلماء الراسخين العارفين دقائق التاويل لكشف قناع الستار عن جمال معنى التنزيل** (توضیح التلویح ۳۶۷) اور اس میں کتاب اللہ کی شان کی تعظیم اور ان کے الفاظ ومعانی دونوں پر عمل کرنے کا فائدہ ہے یعنی قیاس پر عمل کرنے میں کتاب اللہ کی تعظیم ہے اور مقیس علیہ (جس پر قیاس کیا جائے یعنی اصل ہیں) الفاظ قران کا اعتبار کرنا ہے اور مقیس (جسے قیاس کیا جائے یعنی فرع) میں قران کے معنی پر عمل کرنا ہے تو (گویا الفاظ اور معانی دونوں پر عمل ہو گیا) اس کے برخلاف قیاس کے منکرین نے صرف الفاظ قرانی پر عمل کیا اور اس کے منشاء کا اعتبار کرنے سے اعراض کیا اسی طرح اس کے معانی کے سمندر سے چھپے ہوئے موتی نکالنے سے بھی گریز کیا ہے اور اس بات سے بھی وہ ناواقف رہے کہ قران کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور ہر ایک کا الگ الگ محل ہے اور اللہ تعالیٰ نے علماء راسخین اور اصحاب معرفت کو معانی قران کے دقائق سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائی ہے تاکہ قران کریم کے معانی حسن وجمال سے پردے ہٹائیں جاسکیں۔

استحسان:

قیاس اگر ایسا ہو کہ سطحی نظر سے ہی اس کی مقبولیت سمجھ میں آجائے تو اسے مطلق قیاس یا قیاس جلی کہتے ہیں لیکن اگر اس میں علت نکالنے میں زیادہ گہرائی اور گیرائی کی ضرورت ہو تو اسے قیاس خفی کہا جاتا ہے اسی قیاس خفی کا نام استحسان بھی ہے عام طور پر کتب فقہ میں استحسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی معنی میں مستعمل ہے (توضیح وتلویح ۳۹۲) ویسے استحسان اپنے معنی میں عموم رکھتا ہے چنانچہ استحسان بالنص استحسان بالاجماع اور استحسان بالضرورۃ کی اصطلاحیں بھی اہل اصول میں مشہور ہیں مگران تینوں قسموں کی حیثیت نص کے برابر ہے اوران کے مقابلے میں قیاس قبول نہیں ہے (حسامی ۱۰۶) مثلاً بیع سلم کا جواز روزے کا بھول کر کھانے پینے سے نہ ٹوٹنا استصناع کا جواز اور معمولی منگنیوں سے کنؤوں کا ناپاک نہ ہونا وغیرہ (توضیح وتلویح ۳۹۳) البتہ استحسان بمعنی قیاس خفی کا مقابلہ جب قیاس جلی سے ہوتو ان میں ترجیح کے لئے بنیادی طور پر دواصول پیش نظر رہنے چاہیئے۔

اصول (۱) اگر استحسان کی تاثیر مضبوط ہواور قیاس کا اثر کمزور ہوتو استحسان کوترجیح ہوگی مثلاً پھاڑ کھانے والے پرندوں کے جھوٹے کے بارے میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ ان کا جھوٹا ناپاک ہو جیسے کہ درندوں کا جھوٹا ناپاک ہوتا ہے، مگر قیاس خفی یعنی استحسان کے اعتبار سے جھوٹا پاک ہے، اس لئے کہ وہ اپنی چونچ سے پانی پیتے ہیں جو پاک ہڈی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے جھوٹے کا ناپاک نہیں کہا جائے گا صاحب توضیح وتلویح فرماتے ہیں۔ **کسباع الطیر فانه نجس قیاسا علی سور البهائم طاهر استحسانا لانها تشرب بمنقارها وهو عظم طاهر** (التوضیح والتلویح ۳۹۴) ترجمہ: مثلاً پھاڑ کھانے والے پرندے کیونکہ درندے چوپایوں پر قیاس کے اعتبار سے نجس ہیں مگر استحساناً ان کے جھوٹے کو پاک کہا گیا اس لئے کہ وہ اپنی چونچ سے پانی پیتے ہیں اور چونچ ایک پاک ہڈی ہے۔

اصول (۲) اگر قیاس خفی کی صحت کی دلیل ظاہر اور فساد کی دلیل مخفی ہواور اس کا مقابلہ ایسے قیاس جلی سے ہورہا ہو جس کے فساد کی دلیل ظاہر اور صحت کی دلیل پوشیدہ ہواور مضمر ہو تو ایسی صورت میں قیاس جلی کو قیاس خفی یعنی استحسان پر ترجیح ہوگی مثلاً نماز کے دوران سجدۂ تلاوت رکوع کے ذریعہ ادا ہو جانا اس میں قیاس تو یہی کہتا ہے کہ جس طرح سجدہ تعظیم پر دال ہے اس طرح رکوع بھی تعظیم پر دلیل ہے نیز اس بارے میں نص بھی وارد ہے وخر راکعا مگر اس میں ایک ظاہر فساد یہ پایا جاتا ہے کہ جب حقیقت یعنی سجدہ پر عمل کرنا ممکن ہے تو مجاز کو حکم کیوں دیا جارہا ہے تو قیاس کے صحیح نہ ہونے کی دلیل ظاہر پائی گئی۔ اور حکم قیاس کے صحیح قرار دینے کی دلیل اس کے مقابلہ میں مخفی رہ گئی جبکہ استحسان کی نظر میں یہ عمل نہ ہونا چاہئے، کیونکہ یہ امر شارع کے خلاف ہے یہاں استحسان کی صحت کی دلیل واضح ہے اس لئے کہ ارکان صلوٰۃ میں سے کوئی رکن دوسرے کے قائم مقام نہیں ہوتا مگر اس میں ایک مخفی فساد پایا جاتا ہے۔ بایں معنیٰ کہ اس میں سجدہ کے اصل مقصد یعنی اظہار تعظیم سے صرف نظر کرلیا گیا ہے۔ لہٰذا یہاں استحسان کو چھوڑ کر قیاس کو ترجیح دی جائے گی اور رکوع کے ذریعے سجدہ تلاوت کی ادائیگی کا قول کریں گے اس لئے کہ قیاس جلی میں صحت کا حکم مضبوط ہے بایں معنیٰ کہ اصل میں سجدہ کی مشروعیت کا حکم متکبرین کی مخالفت کیلئے دیا گیا ہے۔ اور یہ مقصد رکوع سے بھی حاصل ہو جاتا ہے (حاشیہ حسن چلپی ص ۳۹۵) توضیح وتلویح میں ہے۔ **کسجدة تلاوة تؤدی بالرکوع قیاسا لانه تعالیٰ جعل الرکوع مقام السجدة فی قوله وخر راکعا لا استحسانا لان الشرع امر بالسجود فلاتؤدی بالرکوع کسجود الصلوٰة فعملنا بالصحة الباطنة فی القیاس وهیٔ ان السجود غیر مقصود هنا وانما الفرض ما یصلح تواضعا مخالفة للمتکبرین** (التوضیح ۳۹۴) ترجمہ: جیسے سجدہ تلاوت قیاس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعتبار سے رکوع کے ذریعہ بھی ادا ہو جاتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رکوع کو اپنے ارشاد" وخر راکعا" میں سجدہ کی جگہ رکھا ہے اور استحسانا سجدہ تلاوت رکوع سے ادا نہ ہوگا اس لئے کہ شریعت نے تو سجدہ کا حکم دیا ہے تو وہ رکوع سے ادا نہ ہوگا جیسے نماز کا سجدہ (رکوع سے ادا نہیں ہوتا) تو ہم نے قیاس میں جو باطنی صحت پائی جارہی ہے اس پر عمل کیا اور یہ ہے کہ یہاں سجدہ ہی مقصود نہیں بلکہ فرض ہر وہ عمل ہے جو تواضع کا مظہر ہوتا کہ تکبر کرنے والوں کی مخالفت ہو سکے (یہ مقصد رکوع میں بھی حاصل ہے) ان کے علاوہ بھی دیگر تقسیمات صاحب توضیح وتلویح اسی طرح حاشیہ چلپی اور دیگر کتب اصول میں ذکر کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقا استحسان کو قیاس پر ترجیح نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ آداب وشرائط ہیں انہیں سامنے رکھ کر ہی قیاس واستحسان کے درمیان ترجیح کا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔

حدیث معاذؓ:

قیاس اور استحسان کی اہمیت اور حجیت سے متعلق حضرت معاذ بن جبلؓ کی درج ذیل حدیث سب سے زیادہ واضح ہے۔ **ان رسول اللہ ﷺ لما اراد ان یبعث معاذا الیٰ الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال بسنۃ رسول اللہ ﷺ قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ ﷺ ولا فی کتاب اللہ قال اجتھد برائی ولا آلو فضرب رسول اللہ ﷺ صدرہ فقال الحمدللہ الذی وفق رسول رسول اللہ ﷺ لما یرضیٰ** (ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۱۴۹) کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو پوچھا کہ اگر کوئی مسئلہ تمہارے سامنے آئے تو تم کیسے فیصلہ کروگے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ کی کتاب میں حکم نہ پاؤ تو کیا کروگے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ اس وقت میں بلا کسی پرواکے اپنی رائے سے جتہاد کروں گا آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر حضرت معاذؓ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو ایسی بات کی توفیق دی جس پر رسول اللہ ﷺ راضی ہیں۔ اس واقعہ سے صاف معلوم ہوگیا کہ تشریع اسلامی کی بنیادوں میں ایک اہم بنیاد ادلہ سمعیہ کی روشنی میں قیاس اور اجتہاد بھی ہے جس کی آنجناب رسول اللہ ﷺ نے بھی تحسین فرمائی ہے اب اس طریقہ کا انکار کرنا سوائے ضد اور عناد کے کسی اور امر پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

دور صحابہ:

خیر القرون (دور صحابہؓ) میں بھی انہی تشریع سے احکامات کے استنباط کا پتہ چلتا ہے۔ (۱) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے شراب پینے والے کے حد کے بارے میں حضرات صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے حد قذف پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا "اسی کوڑے" لگائے جائیں گے۔ امام مالکؒ اپنی مؤطا میں نقل فرماتے ہیں۔ **ان عمر بن الخطابؓ استشار فی الخمر لیشربھا الرجل فقال لہ علی**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن طالبؓ ان یجلدہ ثمانین فانہ اذا شرب اسکر واذااسکر ھذا واذا ھذا افتریٰ او کما قال فجلدہ عمر فی الخمر ثمانین(مؤطا امام مالک ص ۳۵۷) حضرت عمرابن الخطابؓ نے مشورہ لیا شراب کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اسے پی لے تو اس کے لئے کیا حکم ہے اس پر حضرت علیؓ نے رائے پیش کی کہ میرے خیال میں اسی کوڑے ماریں اس لئے کہ جب وہ شراب پیئے گا تو اسے نشہ آئے گا تو وہ بکواس کرے گا بکواس کرے گا تو کسی پر بہتان لگائے گا اور بہتان کی سزا جبکہ وہ زنا سے متعلق ہو اسی کوڑے ہے چناچہ حضرت عمرؓ نے شراب پینے والے پر اسی کوڑے کی سزا جاری کی۔ چناچہ حنفیہ اور جمہور علماء کا مذہب شرابی کے بارے میں اسی کوڑے کا ہے۔(بدایۃ المجتھد ج ۲ص ۳۳۲، ہدایہ ج ۲ص ۵۲۸)

(۲) حضرت عمرؓ ابتداء میں اس مسئلہ میں متردد تھے کہ اگر چند لوگ مل کر کسی کو قتل کردیں تو سب سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟ تو حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ جس طرح کئی چور مل کر اگر چوری کرلیں تو سب کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اسی طرح قاتلوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہونا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر مطمئن ہوگئے۔ یہ واقعہ قیاس کے ذریعے حکم کے تعین کی کھلی مثال ہے (چلپی علی التوضیح ص ۳۶۷) ان کے علاوہ بھی تتبع سے دور صحابہؓ میں قیاس کے شائع وذائع ہونے کی مثالیں مل سکتی ہیں وہ حضرات دیانتداری کے ساتھ قران وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کا حکم معلوم کرتے اور اگر اپنی فہم کے مقابلے میں کسی اور بہتر رائے اور دلیل کو دیکھتے تو اپنے فتوی سے رجوع کرلیا کرتے تھے اس سلسلہ میں ہمیں کافی روشنی درج ذیل واقعہ سے ملتی ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ کا یہ مسلک تھا کہ اگر طواف وداع سے قبل عورت کو حیض آنے لگے تو جب تک طواف نہ کرے، تب تک اس کے لئے واپس لوٹنے کی اجازت نہیں ہے۔ اہل مدینہ حضرت زید بن ارقمؓ کے اس فتویٰ پر عموماً عمل کرتے تھے ایک مرتبہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس طرح کا مسئلہ معلوم کرلیا گیا انہوں نے فتویٰ دیا کہ ایسی عورت وطن واپس ہوجائے اس پر طواف وداع نہیں ہے اہل مدینہ سن کر بولے کہ ہم تو حضرت زید بن ارقمؓ کے مقابلہ میں آپ کے فتوی کو نہ مانیں گے حضرت ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا جب مدینہ پہنچو تو جاننے والوں سے مسئلہ کی تحقیق کرلینا۔ وہ حضرات واپس آئے اور حضرت ام سلیمؓ سے تحقیق کی انہوں نے طواف وداع سے قبل ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کے ایام شروع ہونے کا واقعہ سنایا جس سے حضرت ابن عباسؓ کے قول کی تائید ہوتی تھی۔ چنانچہ جب اس کا علم حضرت زید بن ارقمؓ کو ہوا تو انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا یہ واقعہ صحیح بخاری شریف میں بایں الفاظ ذکر کیا گیا ہے۔ ان اھل المدینة سألوا ابن عباسؓ عن امرأة طافت ثم حاضت قال لھم تنفر قالو لا ناخذ بقولک وندع قول زید قال اذا قدمتم المدینة فاسئلو فقدمو ا فسألو فکان فی من سألو ام سلیمؓ فذکرت حدیث صفیةؓ (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۳۷) ترجمہ: اہل مدینہ نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ اگر عورت طواف زیارت کرنے کے بعد حیض میں مبتلا ہوجائے (اور طواف وداع نہ کیا ہو) تو کیا کرے؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ واپس لوٹ جائے (یعنی اس پر طواف وداع ضروری نہیں ہے) یہ سن کر اہل مدینہ نے کہا کہ ہم حضرت زید ابن ارقم کا قول چھوڑ کر آپ کی رائے نہیں مانیں گے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم مدینہ جاؤ تو اس بارے میں تحقیق کرلینا چناچہ اہل مدینہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے مدینہ پہنچ کر تحقیق کی جن لوگوں سے تحقیق کی ان میں حضرت ام سلیمؓ بھی تھیں تو انہوں نے جواب میں حضرت صفیہؓ کے حیض آنے کا واقعہ بیان کیا اور حضرت زید بن ارقم کا رجوع (مسلم شریف ج ا ص ۴۲۷) کی روایت سے واضح ہوتا ہے تو معلوم ہو گیا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں بھی قیاس واستنباط اور ایک دوسرے کی رائے کی تقلید کا رواج تھا۔ اس لئے کہ مذکورہ تحقیق سے قبل اہل مدینہ حضرت زید بن ارقم کی رائے کے پابند تھے یہی تو تقلید ہے۔

بعد کا زمانہ:

دور صحابہ کے بعد علوم کی تدوین کا دور شروع ہوا مسائل کی کثرت ہوگئی اسلام کا پیغام عرب وعجم تک پہنچ گیا جگہ جگہ اور قدم قدم پر احکام ومسائل بیان کرنے کی ضرورت پیش آنے لگی۔ تدوین کے مرحلے میں اس مشکل کا بھی احساس کیا گیا کہ بعض بعض مسائل میں نصوص متعارض ہیں اور سطحی نظر میں وہ تعارض دور نہیں ہوتا۔ اگر ظاہری تعارض کو ویسے ہی چھوڑ دیا جاتا تو پوری ملت فتنہ وانتشار میں مبتلا ہو جاتی۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے دین کی حفاظت کے لئے جہاں محدثین کی اس جماعت کو وجود بخشا، جنہوں نے نہایت حزم واحتیاط کے ساتھ کمزور اور ضعیف احادیث کو صحیح سے ممتاز اور جدا کر دیا، وہیں معانی حدیث کے ماہر ایسے فقہاء بھی پیدا فرمائے جنہوں نے اپنی زندگیاں احکام شریعت کے استنباط اور تعارض نصوص کو ختم کرنے میں لگا دیں۔ حتیٰ کہ جماعت محدثین بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئی کہ **الفقهاء وهو اعلم بمعانی الحدیث** (ترمذی شریف ج ا ص ۱۶۳) یعنی فقہاء دراصل معانی حدیث کو سمجھنے والے ہیں اس معنی کو حضرات فقہاء کا وجود امت کے لئے ایک بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ ضرورت تھی کہ استنباط احکام کا کام ایسے باصلاحیت افراد انجام دیں جو واقعی صحیح معنی تک رسائی کی اہلیت رکھتے ہوں اور منشاء ایزدی کی تکمیل کرنے والے ہوں۔

اختلاف فقہاء:

حضرات فقہاء کے کام کو اگر تقسیم کیا جائے تو دو عنوانوں میں سامنے آتا ہے (۱) مجمل، محتمل اور متعارض نصوص کے معنی کی تعیین۔ اس سلسلہ میں فقہاء اپنے اپنے اصول الگ متعین کرتے ہیں کوئی ترجیح کو فوقیت دیتا ہے اور کسی کے نزدیک تطبیق کو اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے کوئی رواۃ کی فقاہت وعدم فقاہت پر مدار رکھتا ہے تو کوئی کسی خاص شہر کے اہل علم کی تقلید کرتا ہے سوچنے کا یہ جداگانہ ڈھنگ اختلاف فقہاء کا بڑا سبب ہے (۲) احکام منصوصہ سے علتوں کی تحقیق، تخریج اور تنقیح جسے اصول کی اصطلاح میں تحقیق مناط، تخریج مناط اور تنقیح مناط کے ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔ تحقیق مناط کا مطلب یہ ہے کہ نص میں وارد علت کے بارے میں یہ طے کرنا کہ وہ کہاں کہاں پائی جارہی ہے اور کہاں نہیں پائی جارہی۔ اور تخریج مناط سے مراد یہ ہے کہ غیر معلول نص کی علت متعین کرنا، تاکہ اس کا حکم غیر منصوص تک متعدی کیا جائے۔ جب کہ تنقیح مناط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حکم منصوص کی کئی محتمل علتوں میں کسی ایک کو متعین کرنا ہے (مقدمہ فتاوٰی تاتارخانیہ ج ا ص ۲۳) یہ کام چونکہ سراسر اجتہاد پر مبنی ہے اس لئے اس ذمہ داری کو انجام دیتے وقت بھی حضرات فقہاء میں سخت اختلاف رونما ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جزئی احکامات میں بہت زیادہ فرق ہوگیا حضرات فقہاء کا یہ اختلاف دراصل رحمت خداوندی ہے اور بظاہر اس کی حکمت یہ ہے کہ نص کے ہر پہلو پر عمل کی راہ کسی نہ کسی ذریعہ سے نکل آئے۔

ائمہ اربعہ:

دور صحابہؓ وتابعینؒ میں اگرچہ بہت سے فقہاء پائے جاتے تھے مدینہ میں فقہاء سبعہ مکہ میں ابن جریجؒ بصرہ میں حسن بصریؒ کوفہ میں ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ اسی طرح شام میں امام اوزاعیؒ وغیرہ یہ حضرات اپنے زمانہ میں اپنی اپنی جگہ مرجع کی حیثیت رکھتے تھے اور موقع بموقع اپنی فقہی آراء کا اظہار کیا کرتے تھے مگر مسائل کی باقاعدہ تدوین اور ابواب فقہیہ کی جامعیت کے اعتبار سے جو کام ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے ذریعہ انجام پایا اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں پائی جاتی تھی۔ کہ وہ عام آدمی کی زندگی کے لئے پوری طور پر رہنمائی کا سامان بن سکے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے تخریج واستنباط اور مسائل کی تحقیق وتنقید کے لئے باقاعدہ علماء کا ایک وسیع النظر بورڈ کی تشکیل کی تھی۔ جو پورے حزم واحتیاط کے ساتھ مسائل حاضرہ کے حل کا فریضہ انجام دیتا تھا اسی طرح امام مالکؒ نے موطا لکھ کر قوم کو ایک نئی راہ دکھائی تھی اور علوم سلف کو محفوظ کردیا تھا اور امام شافعیؒ نے کتاب الام تصنیف فرما کر تدوین فقہ واصول کا بنیادی پتھر نصب فرمایا تھا الغرض ہر باب کے مسائل پر واقعۃً تدوینی انداز کا کام انہی ائمہ اربعہ کے ذریعے سامنے آیا اور دیگر حضرات مجتہدین تیسری صدی ہجری کے بعد گویا کہ عملی طور پر ناپید ہوگئے صرف ائمہ اربعہ کے مذاہب ہی کی حفاظت ہوسکی (مستفاد فتاوٰی محمودیہ ج ۱ ص ۳۸۴، احسن الفتاوٰی ج ۱ ص ۴۱۲، عقود الجمان ۱۸۴ وغیرہ)

عمل کے لئے مستقل راہ:

ظاہر ہے کہ انسان کو بے کار نہیں چھوڑا جاسکتا کہ محض عدم علم کی وجہ سے اسے شریعت کی قید سے آزاد کردیا جائے بلکہ ہر مسلمان شریعت کے اتباع کا پابند ہے اور قران وسنت کی ہدایات پر عمل کرنا اس کے لئے لازم ہے۔ اب اگر وہ خود براہ راست قران وسنت سے استفادہ کی واقعی صلاحیت رکھتا ہے تو خود مسئلہ کا حکم اپنی استعداد سے معلوم کرے یعنی اصول شریعت کے مطابق اپنے اجتہاد سے کام لے اور اگر اس میں خود استنباط وتخریج احکام کی اہلیت نہیں ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے کسی اہل کی طرف رجوع کرے۔ قران کریم میں ہدایت دی گئی۔ **فاسئلو اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون** ۔ سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔ پوچھ گچھ کر کے عمل کی راہ متعین کرنے ہی کو تقلید کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

تقلید کے اصطلاحی معنی:

دلیل جانے بغیر کسی شخص کی پیروی کرنا اصطلاح میں تقلید کہلاتا ہے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں **التقليد هو اخذ قول الغير بغير معرفة دليله** (شرح عقود رسم المفتی ۷۴) غیر کے قول کو دلیل جانے بغیر اختیار کرلینے کا نام تقلید ہے اور معجم لغۃ الفقہاء میں لکھا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقلید العالم اتباعه معتقدا اصابته من غیر نظر فی الدلیل (معجم لغة الفقهاء ۱۴۱) عالم کی تقلید کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اصابت رائے کی اعتقاد رکھتے ہوئے دلیل کی طرف نظر کئے بغیر اس کی پیروی کی جائے۔ گویا کہ ہم نے اپنے اسلاف سے حسن ظن کی بنا پر یہ بھروسہ کر کے انہوں نے جو کچھ قران وسنت سے سمجھا ہے وہ حق اور قابل اتباع ہے اور عام آدمی کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے اور نہ اس کے بغیر وہ گمراہی سے محفوظ رہ سکتا ہے اس لئے تقلید مذہب کی بنیادی ضرورت ہے ورنہ دین کھلواڑ بن جائے گا اور ارشاد نبوی ﷺ من قال فی القران برائیه فلیتبوا مقعده من النار ترمذی ج ۲ ص ۱۲۳) جو شخص قران کریم کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ جیسی وعیدوں کے کوئی معنی رہ جائیں گے اسی لئے ابتداء ہی سے امت میں تقلید کا رواج رہا ہے۔

تقلید مطلق یا مقید:

مگر فرق یہ تھا کہ ابتدائی دور میں دیانت اور امانت میں زیادتی کیوجہ سے تقلید مطلق میں بھی حرج نہ تھا یعنی بلا کسی قید کے جس عالم اور مجتہد سے چاہتے مسئلہ معلوم کر کے اس پر عمل کر لیتے اور کسی ایک متعین شخص ہی کی پیروی نہ کی جاتی چنانچہ دور صحابہؓ و تابعینؒ میں اکثر ایسے ہی واقعات ملتے ہیں (اعلاء السنن ۳۳ مقدمہ فی قواعد الفقہ) لیکن بعد میں جب امانت اور دیانت کا فقدان ہو گیا اور اتباع ہوی اور خواہشات کا دور دورہ ہوا۔ اور یہ اندیشہ ہونے لگا کہ تقلید مطلق کی آڑ میں دین کا مذاق اڑا جائے گا اور احکام شریعت کو کھلونا بنالیا جائے گا تو امت کے معتبر افراد نے معاملہ کی سنگینی اور نزاکت کا احساس کرتے ہوئے تقلید شخصی یعنی تقلید مقید کے وجوب کا فیصلہ کیا تا کہ فتنہ کا دروازہ بند کیا جا سکے اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسا کہ حضرت عثمان غنیؓ نے فتنہ کے اندیشہ سے قران کریم کے مختلف لغات کے نسخوں کو ختم کر کے لغت قریش پر مبنی مصحف کو باقی رکھنے کا فیصلہ فرمایا تھا اور امت کے سبھی افراد نے آپ کے فیصلے کو تسلیم کیا تھا (اس کی پوری تفصیل مشکوۃ شریف ج ا ص ۱۹۳ وغیرہ میں موجود ہے)

مذاہب اربعہ میں انحصار:

اب یہ سوال پیش نظر تھا کہ تقلید شخصی کس کی کی جائے؟ تو تجربہ اور تحقیق سے امت اس امر پر متفق ہوئی کہ جامعیت اور تدوین کے اعتبار سے حضرات ائمہ اربعہ کے مذاہب سے زیادہ کوئی مسلک اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا اس لئے چوتھی صدی میں اس پر اجماع ہو گیا کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی تقلید شخصی باضابطہ نہیں کی جائے گی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ ان هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة اومن بعد منها علی جواز تقلید ها الی یومنا هذا وفی ذلک المصالح مالا یخفی لا سیما فی هذه الایام التی قصرت فیها الهمم جدا فاشربت النفوس الهوی واعجب کل ذی رای برأيه (حجة الله البالغة) ۔ یہ چاروں مذاہب جو مدون و مرتب ہیں ان کی تقلید پر آج تک امت کے معتبر افراد کا اتفاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلا آرہا ہے اور اس میں جو مصالح ہیں وہ مخفی نہیں خاص کر اس زمانہ میں جب کہ لوگوں کی ہمتیں کوتاہ ہوگئی ہیں اور خواہش نفس لوگوں کے قلوب میں جاگزیں ہو چکی ہے اور اپنی رائے کو ہی اچھا سمجھنے کا دور دورہ ہے۔ اور عقد الجید میں تحریر فرماتے ہیں۔ **ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا من السواد الاعظم (عقد الجيد ٣٨)** اور جب ان چار مذاہب کے علاوہ سبھی مذاہب حقہ کالعدم ہو گئے تو اب انہی کا اتباع سواد اعظم کا اتباع کہلائے گا اور ان چار مذہبوں سے خروج سواد اعظم کے مذہب سے خروج کہلائے گا۔ اور حقیقت میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر یہ اللہ رب العزت کا بڑا فضل وانعام ہے کہ اس نے مذاہب اربعہ کی شکل میں ہمارے لئے عمل کی ایسی راہیں متعین کر دی ہیں جو ہر قسم خرخشہ سے پاک اور دل جمعی اور سکون قلبی کے ساتھ ہر طرح کے احکامات بجالانے کا سرچشمہ ہیں ملاجیونؒ فرماتے ہیں۔ **والانصاف ان انحصار المذاهب فى الاربعة واتباعهم فضل الهى وقبولية عندالله لامجال فيه التوجيهات والادلة (تفسيرات احمديه ٢٩٧)** اور انصاف کی بات یہ ہے کہ مذاہب اربعہ پر انحصار اللہ کا عظیم فضل ہے اور عنداللہ ان کے مقبول ہونے کی ایسی نشانی ہے جس میں توجیہات اور دلائل کی چنداں ضرورت نہیں۔

علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: **ان الاجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف الاربعة لانضباط مذاهبهم وانتشارها وكثرة اتباعهم (الاشباه مطبوعه كراچى ج ١ ص ١٤٣)** ائمہ اربعہ کے خلاف رائے اپنانے کے ممنوع ہونے پر اجماع منعقد ہے اس لئے ان چاروں کے مذاہب ہی مدون ہیں اور عوام اور خواص میں مشہور ہیں اور انکے پیروکاروں کی کثرت ہے اور شیخ عبدالغنی نابلسیؒ اپنے رسالہ خلاصۃ التحقیق میں وضاحت کرتے ہیں: **واما تقليد مذهب من مذاهبهم الأن غير المذاهب الاربعة فلايجوز لا لنقصان فى مذاهبهم ورجحان المذاهب الاربعة عليهم لان فيهم الخلفاء المفضلين على جميع الامة بل لعدم تدوين مذاهبهم وعدم معرفتنا الان بشروطهاوقيودها وعدم وصول ذلک الينا بطريق التواتر حتىٰ لو وصل الينا شئى من ذلک كذلک جاز لنا تقليده لكنه لم يصل كذلک** ۔ اس وقت مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر دیگر مجتہدین کے مذہب پر عمل کی اجازت نہیں ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ دیگر مجتہدین کے مذہبوں میں کچھ نقصان ہے اور مذاہب اربعہ ہی راجح ہیں اس لئے کہ ان مجتہدین میں ایسے بھی ہیں جو تمام امت پر بھاری ہیں بلکہ اصل وجہ ان مذاہب کو اختیار نہ کرنے کی یہ ہے کہ (۱) ان کے مذاہب با قاعدہ مرتب نہیں ہو سکے (۲) ہمیں آج ان مذاہب کی شرائط وقیود کا پورا علم نہیں ہے (۳) اور وہ مذاہب ہم تک تواتر کے طریقہ پر نہیں پہنچے۔ اگر وہ اس طریقے پر ہم تک پہنچتے تو ہمارے لئے ان کی تقلید کرنا جائز ہوتا مگر ایسا نہیں ہوا۔ آگے چل کر علامہ مناویؒ سے نقل کرتے ہیں۔ **فيمتنع تقليد غير الاربعة فى القضاء والافتاء لان المذاهب الاربعة انتشرت وظهرت حتىٰ ظهر تقييد مطلقها وتخصيص عامها بخلاف غيرهم لانقراض اتباعهم (خلاصة التحقيق ص ٣. ٤)** لہذا قضاء وافتاء میں مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی امام کی پیروی ممنوع قرار دی جائے گی اس لئے کہ مذاہب اربعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشہور و معروف ہو چکے ہیں حتیٰ کہ ان کے مطلق احکامات کی قیدیں اور عام امور کی تخصیص وغیرہ کا علم ہو گیا ہے ان کے برخلاف دیگر مذہبوں کی اس طرح وضاحت نہیں ہو سکی کیونکہ ان کے پیرو کار ناپید ہو چکے ہیں۔ ان حوالہ جات سے معلوم ہو گیا کہ مذاہب اربعہ پر عمل کا انحصار ایک اجماعی مسئلہ ہے اور دین کی صحیح شکل و صورت میں حفاظت کا بڑا اہم وسیلہ ہے۔

تعین ضروری ہے:

یہاں یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ جب ائمہ اربعہ میں انحصار ہو گیا تو ان میں سے جس مسلک پر جب چاہیں عمل کر لیں بلکہ ان چاروں مذاہب میں عمل کے لئے کسی ایک مذہب کو متعین و مقرر کرنا ضروری ہے پھر وہی فساد رونما ہو گا جو تقلید مطلق کی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے علامہ نوویؒ نے مذہب معین کی تقلید ضروری ہونے پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔ **ووجهه انه لو جاز اتباع الى مذهب شاء لافضى الى ان يلتقط رخص المذاهب متبعا هواه ويتخير بين التحليل والتحريم والوجوب والجواز وذلك يؤدى الى اضلال ربقة التكليف بخلاف العصر الاول فانه لم تكن المذاهب الوافية باحكام مهذبة فعلى هذا يلزمه ان يجتهد فى اختيار مذهب يقلده على التعين (شرح المهذب ج ا ص ۵۵ بحواله مقدمه اعلاء السنن ج ۲ ص ۲۲۳)** اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر جس مذہب کی چاہے اتباع کی اجازت دی جائے تو اس کا انجام یہ ہو گا کہ ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہوئے مذاہب کی رخصتوں کو چنا جائے گا اور حلال و حرام وجوب و جواز کے درمیان عمل اختیار دیا جائے گا جس کا نتیجہ بالاخر شرعی تکلیف کا چولا اتار کر پھینکنے کی صورت میں نمودار ہو گا برخلاف دور اول (خیر القرون) کے کہ اس زمانہ میں وہ مذاہب جن میں سبھی مسائل کا حل ہو مہذب نہیں تھے اس اعتبار سے آج مقدار پر لازم ہے کہ وہ ایک متعین مذہب کی اتباع میں اپنی پوری کوشش صرف کر دے۔

تشہی کی اجازت نہیں:

اگر ہر کس و ناکس کو تقلید شخصی سے آزاد کر کے یہ چھوٹ دی جائے کہ اپنی مرضی سے مذاہب اربعہ میں جو قول پسند ہو اسے اختیار کرے تو دین میں رخصتوں پر عمل پیرا ہونے اور نفسانی خواہشات کی اتباع کا ایسا دروازہ کھلے گا کہ شریعت مذاق بن کر رہ جائے گی۔ اس لئے جب آدمی کسی مذہب سے وابستہ ہو جائے تو خواہ مخواہ اسے مذہب کو ترک کرنے کا اختیار نہیں دیا جا سکتا شرح عقود رسم المفتی میں ہے۔ (الف) **ان الاجماع على منع اطلاق التخير اى بان يختار ويشتهى مهما اراد من الاقوال فى اى وقت اراد (ص ۱۰۱) (ب) واما اتباع الهوىٰ فى الحكم والفتيا فحرام اجماعا (ص ۱۰۴) (ج) وكلام القرا فى دال علىٰ ان المجتهد والمقلد لايحل لهما الحكم والافتاء بغير الراجح لانه اتباع للهوىٰ وهو حرام (ص ۲۷)** ترجمہ الف: مطلق اختیار یعنی جس وقت چاہے جس قول کو چاہے اختیار کرنے کی ممانعت پر اجماع ہو چکا ہے (ب) فیصلہ کرنے اور فتوی دینے میں ہوائے نفس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیروی اجماعاً حرام ہے (ج) علامہ قرانی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ مجتہد یا مقلد کسی کے لئے بھی غیر راجح پر فتوی اور فیصلہ دینا حلال نہیں ہے اس لئے کہ یہ خواہش نفس کی پیروی ہے جو بالاجماع حرام ہے۔ اور شیخ عبد الغنی نابلسیؒ نے لکھا ہے۔ **قال ابن الهمام حکم المقلد فی المسئلة الاجتهادية کالمجتهد فانه اذا کان له رأيين فی مسئلة وعمل باحدهما يتعين ماعمل به وامضاه بالعمل فلا يرجع عنه الیٰ غيره الا بترجيح ذلک الغير الخ فالمقلد اذا عمل بحکم من مذهب لايرجع الیٰ اٰخر من مذهب اٰخر (خلاصة التحقيق ص ۵)** ترجمہ: علامہ ابن الہمامؒ نے فرمایا کہ اجتہادی مسئلہ میں مقلد کے لئے وہی حکم ہے جو مجتہد کے لئے ہے یعنی جب مجتہد کی کسی مسئلہ میں دو رائے ہوں اور ان میں سے ایک پر عمل کر لے تو جس پر عمل کیا جائے وہ رائے متعین ہو جاتی ہے لہذا اس رائے سے اس وقت تک رجوع نہیں کیا جا سکتا جب تک دوسری رائے ترجیح سامنے نہ آجائے اس طرح مقلد نے جب ایک مذہب کے حکم پر عمل کر لیا تو دوسرا حکم دوسرے مذہب کا اختیار نہیں کرے گا۔ الغرض جب کسی ایک امام کا دامن تھام لیا تو اب بلا عذر یا بلا ضرورت محض اپنی چاہنے کی بنیاد پر دوسرے امام کے مذہب کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔

الامان الحفیظ:

حتیٰ کہ علامہ شامیؒ نے فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے ایک حنفی شخص نے کسی صاحب حدیث کی لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا ،اس صاحب حدیث نے جواب دیا کہ جب تم اپنے حنفی مذہب کو چھوڑ کر ہمارے مذہب کے مطابق فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین پر عمل پیرا نہ ہوگے اپنی بچی کا نکاح تمہارے عقد میں نہ دوں گا۔ حنفی نے ان شرائط کو مان لیا اور محض نکاح کی خاطر حنفیت چھوڑ کر صاحب حدیث کے زمرہ میں شامل ہو گیا اس واقعہ کی خبر شیخ ابو بکر جورجانیؒ کو پہنچی تو انہوں نے سر جھکا یا اور فرمایا کہ نکاح تو خیر درست ہو گیا لیکن مجھے خطرہ ہے کہ آخری وقت میں اس کا ایمان نہ جاتا رہے اس لئے کہ اس نے اپنے اس مذہب کا استخفاف کر لیا جسے وہ حق سمجھے ہوئے تھا اور اس نے محض ایک بدبودار دنیا کے حصول کی غرض سے ترک کر دیا (شامی کراچی ج ۴ ص ۸۰) اس بناء پر فقہاء نے فرمایا ہے **"ارتحل الیٰ مذهب الشافعی يعزر" (درمختار ج ص ۸۰)** مذہب شافعی کی طرف جو شخص منتقل ہو جائے اسکو سزا دی جائے گی اس لئے عموماً ایسا کرنا ہوائے نفس کی بنا پر ہوتا ہے۔ اسی طرح علامہ شامیؒ نے منح سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔ **وان انتقل اليه لقلة مبالاته فی الاعتقاد والجرأة علیٰ الانتقال من مذهب الیٰ مذهب کما يتفق له ويميل طبعه اليه لغرض يحصل له فانه لاتقبل شهادته (شامی ج ۵ ص ۴۸۱ کتاب الشهادت)**

ترجمہ: عقیدہ میں لاابالی پن اور دنیاوی عرض کے حصول کے لئے کیف ما اتفق اور حسب خواہش طبعیت ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کی جرات اور جسارت کی وجہ سے جو شخص دوسرا مذہب اختیار کر لے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ حاصل یہ کہ یہ کوئی کھیل تماشہ نہیں کہ جب چاہے جس کا قول لے کر عمل کرے بلکہ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک متعین مذہب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وابستہ ہوکر عمل کرنا پڑے گا اور اس کے خلاف بلا کسی داعیہ شرعیہ کے عمل کرنا دیانت وثقاہت کے خلاف ہوگا۔

ناگزیر صورتحال:

تاہم یہاں اس حقیقت سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا کہ کبھی کبھی ایسی ناگزیر صورت حال پیش آتی ہے کہ اپنے مذہب کو ترک کئے بغیر چارہ کار بھی نہیں ہوتا یہ صورت حال کبھی تو خود مذہب سے خروج کرنے والے کی اجتہادی صلاحیت کی بنا پر پیش آتی ہے اور کبھی اس کے متقاضی دیگر امور (ضرورت وغیرہ) بھی ہوتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ ایسے وقت میں شریعت کی جانب سے دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مطلق ہے یا اس میں کچھ قیودات ہیں؟ ظاہر ہے کہ مطلق اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ورنہ پھر تقلید کے کوئی معنی ہی نہ رہے گی، لہذا قیودات کے ساتھ اجازت دی جائے گی۔ اور اس میں خاص طور پر تین باتوں کا خیال رکھا جائے گا (۱) خروج کرنے والے کی فقہی صلاحیت (۲) خروج کرنے کا مقصد (۳) جس مسئلے کی طرف خروج کیا جارہا ہے اس کے بارے میں یہ تحقیق کہ اس سے کوئی خلاف اجماع امر تو لازم نہیں آرہا ہے۔ اگر ان تینوں امور کی تنقیح کردی جائے تو افتاء بمذہب الغیر کی بحث کافی حد تک سمٹ سکتی ہے۔

اہل علم کی دلچسپی کے لئے مجلس التحقیق الفقہی کے مجلّات

زیر نگرانی: مولانا سید نصیب علی شاہ الہاشمی (ایم این اے)

(1) سہ ماہی المباحث الاسلامیہ (اُردو):

سائنس وٹیکنالوجی کے تحقیقات وایجادات سے پیش آنے والے مسائل کا فقہی حل۔

اہم اور جدید مسائل پر مشتمل علمی، تحقیق کا حامل اور فکر اسلامی کا ترجمان

صفحات: 136 زرِتعاون سالانہ: 240 روپے

(2) ششماہی البحوث الاسلامیہ (عربی):

اہم اور جدید مسائل پر مشتمل پاکستان اور عالم اسلام کے جید علماء کی علمی تحقیق (عربی زبان میں)

صفحات: 136 زرِتعاون: 200 روپے

برائے رابطہ: ناظم دفتر مجلس التحقیق الفقہی

جامعہ المرکز الاسلامی پاکستان ڈیرہ روڈ بنوں

فون: 0092-928-331351 (3 Line) فیکس: 331355

© rasailojaraid.com